صریح السنة

امام ابی جعفر محمد بن جریر الطبری

ترجمہ وشرح: حافظ فیضان فیصل   تحقیق وتخریج: محمد ارشد کمال

(٥) ثُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَزَلْ مِنْ بَعْدِ مُضِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِسَبِيلِهِ حَوَادِثُ فِي كُلِّ دَهْرٍ تَحْدُثُ، وَنَوَازِلُ فِي كُلِّ عَصْرٍ تَنْزِلُ، يَفْزَعُ فِيهَا الْجَاهِلُ إِلَى الْعَالِمِ، فَيَكْشِفُ فِيهَا الْعَالِمُ سُدَفَ الظَّلَامِ عَنِ الْجَاهِلِ بِالْعِلْمِ الَّذِي آتَاهُ اللَّهُ وَفَضَّلَهُ بِهِ عَلَى غَيْرِهِ، إِمَّا مِنْ أَثَرٍ وَإِمَّا مِنْ نَظَرٍ، فَكَانَ مِنْ قَدِيمِ الْحَادِثَةِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْحَوَادِثِ الَّتِي تَنَازَعَتْ فِيهَا أُمَّتُهُ، وَاخْتِلَافِهَا فِي: أَفْضَلِهِمْ بَعْدَهُ ﷺ، وَأَحَقِّهِمْ بِالْإِمَامَةِ، وَأَوْلَاهُمْ بِالْخِلَافَةِ.

(٦) ثُمَّ الْقَوْلُ فِي: أَعْمَالِ الْعِبَادِ طَاعَتِهَا وَمَعَاصِيهَا، وَهَلْ هِيَ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَدَرِهِ أَمِ الْأَمْرُ فِي ذَلِكَ الْمُبْهَمِ مُفَوَّضٌ؟

(٧) ثُمَّ الْقَوْلُ فِي: الْإِيمَان هَلْ هُوَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ أَمْ هُوَ قَوْلٌ بِغَيْرِ عَمَلٍ؟ وَهَلْ يَزِيدُ وَيَنْقُصُ، أَمْ لَا زِيَادَةَ لَهُ وَلَا نُقْصَانَ؟

(٨) ثُمَّ الْقَوْلُ فِي: الْقُرْآن هَلْ هُوَ مَخْلُوقٌ أَوْ غَيْرُ مَخْلُوقٍ؟

(٩) ثُمَّ: رُؤْيَةُ الْمُؤْمِنِينَ رَبَّهُمْ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(١٠) ثُمَّ الْقَوْلُ فِي: أَلْفَاظِهِمْ بِالْقُرْآن.

(١١) ثُمَّ حَدَثَ فِي دَهْرِنَا هَذَا حَمَاقَاتٌ خَاضَ فِيهَا أَهْلُ الْجَهْلِ وَالْغَبَاوَةِ وَنَوْكَى الْأُمَّةِ وَالرِّعَاعُ، يُتْعِبُ إِحْصَاؤُهَا، وَيُمِلُّ تَعْدَادُهَا، فِيهَا الْقَوْلُ فِي اسْمِ الشَّيْءِ؛ أَهُوَ هُوَ أَمْ هُوَ غَيْرُهُ؟

وَنَحْنُ نُبَيِّنُ الصَّوَابَ لَدَيْنَا مِنَ الْقَوْلِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ - إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى - وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ.

ترجمہ:

(۵) پھر اللہ کے رسول ﷺ کے (دنیا سے) تشریف لے جانے کے بعد ہر دور میں نئے واقعات اور ہر زمانے میں نئے مسائل رونما ہوتے رہے، جس میں جاہل عالم کی طرف لپکتا تھا، اور عالم اُس اثری یا نظری علم کے ذریعے جو اللہ نے اسے عطا کیا اور جس کی بنا پر اسے دوسروں پر فضیلت بخشی، اس جاہل سے اندھیروں کو دور کر دیتا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں جن مسائل میں تنازعہ پیدا ہوا، ان میں قدیم تر مسئلہ آپ ﷺ کے بعد افضلیت، استحقاقِ امامت اور اولیتِ خلافت کا مسئلہ ہے۔

(۶) پھر بندوں کے اچھے اور برے اعمال کا مسئلہ ہے کہ کیا وہ اللہ کی قضاء وقدر سے انجام پاتے ہیں یا بندوں کے سپرد ہیں؟

(۷) پھر ایمان کا مسئلہ ہے کہ کیا وہ قول وعمل کا نام ہے یا بغیر عمل کے صرف قول کا نام ہے؟ اور کیا وہ کم یا زیادہ ہوتا ہے یا اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی؟

(۸) پھر قرآن کا مسئلہ ہے کہ کیا وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

(۹) پھر اہلِ ایمان کا قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھنے کا مسئلہ۔

(۱۰) پھر قرآن مجید پڑھتے ہوئے بندوں کے الفاظ کا مسئلہ۔

(۱۱) پھر ہمارے دور میں ایسی بہت سی حماقتیں سامنے آئی ہیں جن میں جہلاء و اغبیاء اور امت کے بیوقوف و نادان لوگوں نے سر کھپایا، جن کا اعداد وشمار خاصا کٹھن کام ہے؛ ان میں سے ایک چیز کے اسم کا مسئلہ ہے کہ اسم مسمی ہی ہوتا ہے یا غیر مسمی ہوتا ہے؟

ہم ان تمام مسائل میں اللہ کی توفیق سے وہ موقف بیان کریں گے، جو ہمارے نزدیک درست ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔

شرح:

❁ ثُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَزَلْ مِنْ بَعْدِ مُضِيِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لِسَبِيلِهِ ....

امام صاحب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ہر دور میں نوازل سامنے آتے رہے ہیں۔نوازل ''نازلہ'' کی جمع ہے، اوراس کے لغوی معنی واقع ہونے یا مصیبت ٹوٹ پڑنے کے ہیں۔قنوتِ نازلہ بھی اسی سے ہے کہ وہ مسلمانوں پر کسی مصیبت کے نازل ہونے پر پڑھی جاتی ہے۔

علماء نے نوازل کی تعریف یوں کی ہے:"الحوادث المستجدة التي تتطلب حكمًا شرعيًا" ''نئے واقع ہونے والے مسائل جو کسی شرعی حکم کا تقاضا کرتے ہوں۔''

(مقرر فقه النوازل، مؤسسة الرسوخ : 8)

اسی معنی میں امام ابن القیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

"وَكَانَتْ النَّازِلَةُ إِذَا نَزَلَتْ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْسَ عِنْدَهُ فِيهَا نَصٌّ عَنِ اللّٰهِ وَلَا عَنْ رَسُولِهِ ﷺ جَمَعَ لَهَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ جَعَلَهَا شُورَى بَيْنَهُمْ."

''جب امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کوئی نیا مسئلہ درپیش ہوتا، اور ان کے پاس قرآن وسنت کی نص نہ ہوتی تو وہ اصحابِ رسول ﷺ کو جمع کرتے اور ان کے مشورے سے اسے حل کرتے۔'' (إعلام الموقعين : 66/1)

یہ نوازل فقہی بھی ہو سکتے ہیں جیسے ورچوئل نقدی، مصنوعی ذہانت، حقوقِ طباعت، اسلامی کارٹونز، کھیلوں کی آمدنی وغیرہ کے مسائل ہیں۔اور عقدی و منہجی بھی جیسے اقامتِ دین، وضعی قوانین، چاند پر پہنچنا، وحدتِ ادیان، تنظیم سازی و دیگر مسائل ہیں۔امام طبری رحمہ اللہ کی مراد عقدی نوازل ہیں۔

❁ يَفْزَعُ فِيهَا الْجَاهِلُ إِلَى الْعَالِمِ، فَيَكْشِفُ ....

یہ بات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ عوام الناس پر پیش آمدہ مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ (۱۴۲۰ھ) قرآن مجید کی آیت ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل : ٤٣) ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فربنا في هذه الآية جعل المجتمع الإسلامي قسمين: أهل ذكر وأهل جهل ، وأوجب على كل من القسمين واجبًا خلاف الواجب الذي على الآخر ، فأوجب على من لا علم عنده أن يسأل أهل العلم ، وأوجب على أهل العلم أن يجيبوا ."

''ہمارے رب نے اس آیت میں اسلامی معاشرے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: اہلِ ذکر (علماء) اور اہلِ جہل۔ اور دونوں پر ایک دوسرے سے الگ واجب متعین کیا ہے۔ جن کے پاس علم نہیں اُن پر علم والوں سے سوال کرنا واجب کیا ہے، اور جن کے پاس علم ہے اُن پر جواب دینا واجب کیا ہے۔''

(جامع تراث العلامة الألباني فی المنهج والأحداث الكبرى : 410/5)

اسی لیے علماء کے ہاں قاعدہ ہے: "من علم حجّة على من لم يعلم" ''جسے علم ہو، وہ اس پر حجت ہے جسے علم نہ ہو۔'' (الإخنائية لابن تيمية : 458/1، فتح الباری لابن حجر : 531/9، نيل الأوطار للشوكانی : 289/7)

اور ہمیشہ سے امت اسی طریقِ مستقیم پر قائم رہی ہے کہ جب کوئی نیا معاملہ درپیش ہوا، تو جن کے پاس علم نہیں تھا، انہوں نے علم والوں سے رجوع کیا، اور اسی سے دین و دنیا کی بقا ہے۔ مثلاً: جب بصرہ میں قدریہ کا ظہور ہوا تو یحییٰ بن یعمر اور حمید الحمیری رحمہما اللہ نے مکہ پہنچ کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے استفسار کیا۔ (صحيح مسلم : 8)

جب کوفہ کی مسجد میں حلقاتِ ذکر کی صورت میں خوارج نمودار ہوئے تو سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فوراً سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرمایا۔ (الدارمی : 210، وسنده صحيح)

اسی طرح ہر دور میں نت نئے واقع ہونے والے فتن اور آراء ومقالات میں اُنھی لوگوں نے نجات پائی جنھوں نے کبار علماء سے تمسک اختیار کیا، اور وہ لوگ ہلاک ہوئے جنھوں نے اپنی عقل پر انحصار کیا اور علماء کی بات کو رد کیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ ہے! امام طبری رحمہ اللہ بھی اسی بات کو بیان فرما رہے ہیں۔

❁ إِمَّا مِنْ أَثَرٍ وَإِمَّا مِنْ نَظَرٍ:

علماء دو چیزوں کی بنیاد پر جواب دیتے ہیں، اثر یا نظر۔ اثر سے مراد کتاب وسنت کی نصوص، اجماع اور صحابہ وتابعین کے فرامین ہیں۔ اور نظر سے مراد علماء کے اپنے اجتہادات اور ٹھوس شرعی قواعد کی روشنی میں قائم کی گئی آراء ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"الْعِلْمُ إِمَّا نَقْلٌ مُصَدَّقٌ وَإِمَّا اسْتِدْلَالٌ مُحَقَّقٌ ."

''علم یا تو نقلِ مصدق (صحیح وثابت نصوص) کا نام ہے یا استدلالِ محقق (معتبر اجتہاد) کا۔'' (مقدمة فی أصول التفسیر : 20)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"والعلم شيئان إما نقل مصدق، وإما بحث محقق؛ وما سوى ذلك فهذيان مزوق ."

''علم دو ہی چیزیں ہیں: نقلِ مصدق اور بحثِ محقق؛ اس کے سوا جو بھی ہے خوشنما ہذیان ہے۔'' (الاستغاثة فی الرد علی البکری : 410)

معلوم ہوا کہ اثر کے لیے اس کا ''مصدق'' ہونا شرط ہے، یعنی وہ قرآن مجید اور صحیح وثابت احادیث وآثار ہوں۔ اور نظر کے لیے اُس کا ''محقق'' ہونا شرط ہے، یعنی وہ شرعی وعلمی ضوابط کی روشنی میں کیا گیا اجتہاد ہو نا کہ قیاسِ باطل، خلافِ نص رائے زنی اور خودساختہ افکار ونظریات۔ چنانچہ جب بھی اثر یا نظر کو اُس کی شرط سے الگ کر دیا جائے گا، تو وہ ہذیان اور

بیکار بات ہے، بھلے ہی خوشنما ہو۔ اللہ تعالیٰ شیخ الاسلام پر رحمتیں نازل فرمائے، کہ اُن کا یہ کلام کس قدر نورانی و جامع ہے، اسی لیے علماء کے ہاں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

❀ فَكَانَ مِنْ قَدِيمِ الْحَادِثَةِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ ....:

اس کے بعد امام صاحب رحمہ اللہ نے سات مسائل کا ذکر کیا ہے کہ جن میں اُن کے دور میں اختلاف واقع ہوا، اور بتایا ہے کہ میں اس میں اپنا عقیدہ بیان کروں گا (جو اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے)۔ ان سب مسائل کی توضیح اپنے مقام پر آئے گی، ان شاء اللہ۔

لیکن یہاں دو باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں۔

(۱) اختلاف کا واقع ہونا اللہ کی سنتوں اور قدری حکمتوں میں سے ہے۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا: ((فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا)) ''بے شک تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا، وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔'' (سنن أبی داوٗد: 4607 وسندہ صحیح)

اسی طرح حدیثِ افتراق کے نام سے مشہور ترین حدیث ہے، جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے اس امت کے تہتر فرقوں میں بَٹ جانے کی خبر دی ہے۔

(سنن أبی داوٗد: 4597 وسندہ حسن)

(۲) جب یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ ابتلاء و امتحان کے لیے اختلاف کا واقع ہونا لازمی بات ہے۔ تو پھر یہ بات سمجھ لیجیے کہ شریعت نے اختلاف کے وقت ہمیں اندھیرے میں نہیں رکھا۔ بلکہ سورج کی طرح واضح احکامات دے دیے ہیں کہ یہ کرو گے تو فرقہ ناجیہ میں شامل رہو گے وگرنہ فرقِ ہالکہ میں سے ہو جاؤ گے۔

چنانچہ حدیثِ عرباض رضی اللہ عنہ میں ہے:

"فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا

بِهَـا وَعَـضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ .“

’’پس میری سنت کو اور خلفائے راشدین ومہدیین کی سنت کو پکڑ لینا، اور اسے پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے دانتوں سے تھام لینا، اور نئے نئے امور سے بچنا، کیونکہ ہر نیا امر بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘(سنن أبي داود، ح : ٤٦٠٧، وسنده صحيح)

اور سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا تو صحابہ کرام نے عرض کی: پھر ہم کیا کریں؟ فرمایا:”تَـرْجِـعُونَ إِلَـى أَمْرِكُمُ الْأَوَّلِ“ ’’تم اپنے امرِاول کی طرف لوٹ جانا۔‘‘

(شرح مشكل الآثار للطحاوي : ١١٨٤، وسنده حسن)

مراد یہ ہے کہ تم اختلاف اور فتنوں کے واقع ہونے سے قبل کے اُس منہج کی طرف لوٹ جانا، جس پر تم سب جمع تھے۔ سو حدیثِ عرباض رضی اللہ عنہ میں ’’سنت‘‘ کا بیان ہے، اور حدیثِ ابی واقد رضی اللہ عنہ میں ’’جماعت‘‘ کا۔ ان دو باتوں کو علماء ’’کتاب وسنت بمطابق فہمِ سلف‘‘ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان سے تمسک اختیار کرنے والوں کو ’’اہل السنۃ والجماعۃ‘‘ کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اختلاف واقع ہونا لازمی ہے، اور اختلاف میں اہل السنۃ والجماعۃ کا راستہ اختیار کرنا بھی لازمی ہے۔ پس امام طبری رحمہ اللہ کے اس رسالے میں سات عقدی اختلافات اور اُن میں اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔ فجزاه الله عنا خيرا
